

سب رنگوں کے منتخب کمنائیاں اردو ادب کا عطر حیات  
اردو شاعری کے لیے اردو کے ذہنی ترین کمنائیاں

منشور کر کے جن کے تذکرات

<https://www.facebook.com/groups/372605677178945/>

telegram link [https://t.me/+l\\_Fxda8LnVViOGU0](https://t.me/+l_Fxda8LnVViOGU0)

Zegham imran



ایک شعبہ، بانگہ سرگزشتہ، فتنہ طراز منشور کے قلم ہے

منشور ہے اردو لکھارے، اردو تحریر کے لیے نسخہ استا ہے کمنائیاں کا

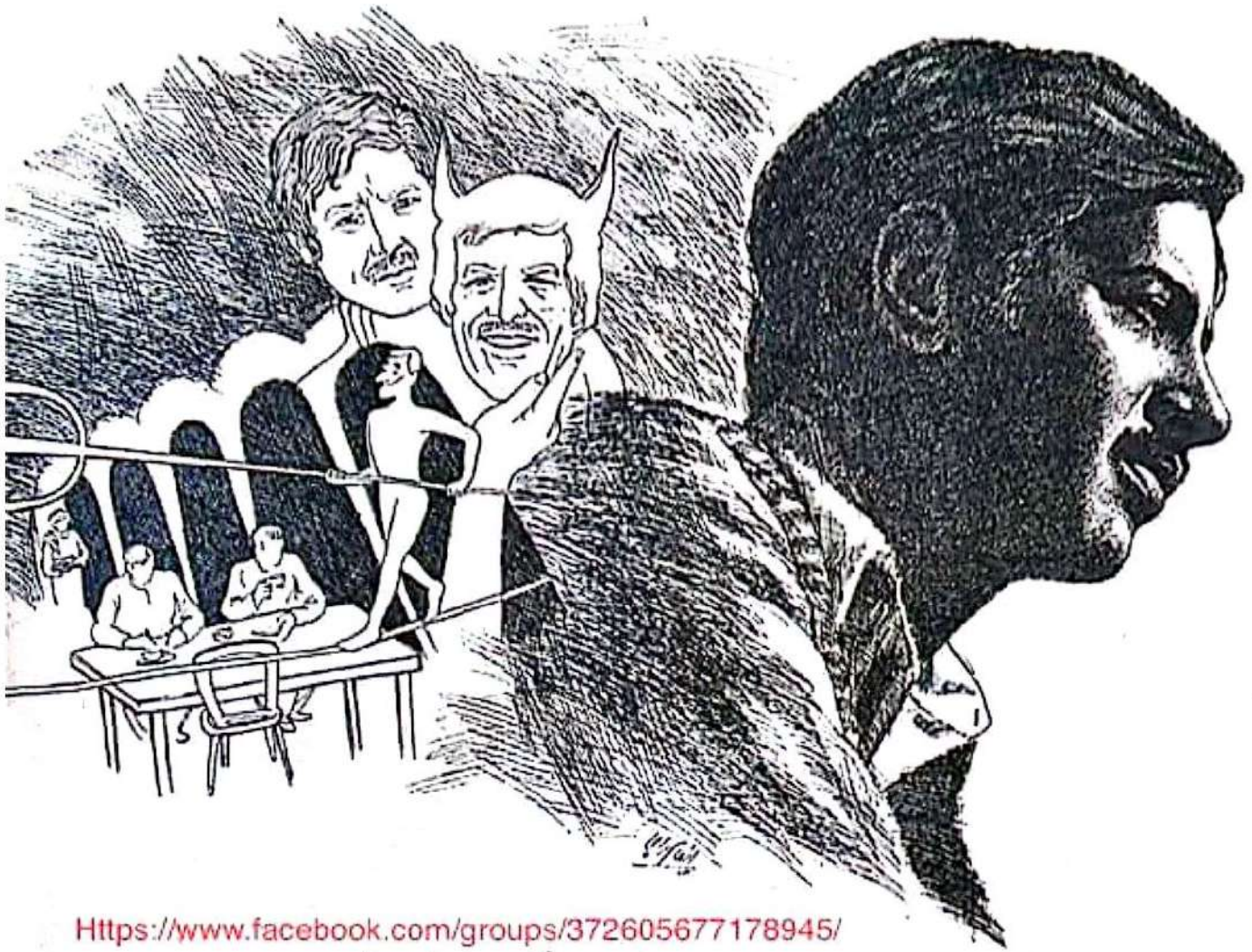
بکھلائے ہوتے باہر نکلے اور چپراسی کو بلا کر اُس سے کہا: "جاذبہ" کے جاذبہ پھوٹے حرائے کے گھر وہاں سے کپڑے لاؤ اُس کے لیے کتابے میں مسجد کے مقابلے میں نہا رہا تھا کہ میرے کپڑے کوئی پوٹا اٹھا کر لے گیا۔

دینیات کے ماسٹر مولوی پوٹو تھے۔ معلوم نہیں انھیں پوٹو کس رعایت سے کہتے تھے کیونکہ انہوں کے توداڑھی نہیں ہوتی۔ اُن سے پوچھا جاذبہ تھا مگر ایک دن ایسا آیا کہ انہیں کے مبروں کے سامنے مولوی صاحب نے غلطی سے اُس سے ایک آیت کا ترجمہ پوچھ لیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ خاموش رہتا مگر پوچھا جاذبہ کیسے پہچانا جاتا جو نہ میں آیا اول جلول بک دیا۔ مولوی پوٹو کے پسینے چھوٹ گئے۔ ممبر باہر نکلے تو انھوں نے غصے سے تھر تھر کانپتے ہوئے اپنا عصا اٹھایا اور پوچھے کو وہ چار چوٹ کی ماردی کہ بلبل اٹھا مگر بڑے ادب سے کہتا ہا کہ تو مولی صاحب میرا قصور نہیں۔ مجھے کلر ٹھیک سے نہیں آتا اور آپ نے ایک پوری آیت کا مطلب پوچھ لیا۔ مارنے سے بھی مولوی پوٹو صاحب کا جی ہلکا نہ ہوا چنانچہ وہ پوچھے کے باپ کے پاس گئے اور اُس کی شکایت کی۔ پوچھے کے باپ نے اُن کی باتیں سنیں اور بڑے رحم ناک لہجے میں کہا: "مولوی صاحب! میں خود اس سے عاجز آ گیا ہوں۔ میری بھڑ میں نہیں آتا کہ اس کی اصلاح کیسے ہو سکتی ہے۔ ابھی کل کی بات ہے میں پاخانے گیا تو اس نے باہر سے کنڈی چڑھا دی۔ میں بہت گرجا، قیلے گالیاں دیں مگر اس نے کہا۔ اٹھتی دینے کا وعدہ کرتے ہو تو دروازہ کھلے گا۔

ٹی ہاؤس میں حرمیوں کی باتیں شروع ہوئیں تو یہ سلسلہ بہت دیر تک جاری رہا۔ ہر ایک نے کم از کم ایک حرامی کے متعلق اپنے تاثرات بیان کیے جس سے اُس کو اپنی زندگی میں واسطہ پڑ چکا تھا۔ کوئی جالندھر کا تھا، کوئی لدھیانے کا اور کوئی لاہور کا مگر سب کے سب اسکول یا کالج کی زندگی سے متعلق تھے۔ مہر فیروز صاحب سب سے آخر میں بولے۔ آپ نے کہا: "امرت سر میں شاید ہی کوئی ایسا آدمی ہو جو پھوٹے حرائے کے نام سے ناواقف ہو۔ یوں تو اُس شہر میں اور بھی کئی حرام زادے تھے مگر اُس کے پلے کے نہیں تھے۔ وہ نمبر ایک حرام زادہ تھا۔ اسکول میں اُس نے تمام ماسٹروں کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ ہیڈ ماسٹر جنھیں دیکھتے ہی بڑے بڑے شیطان روکوں کا پیشاب خطا ہو جاتا، پوچھے سے بہت گھبراتے تھے اس لیے کہ اُس پر اُن کے مشورید کا کوئی اثر ہی نہیں ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ تنگ آ کر انھوں نے اُس کو مارنا چھوڑ دیا تھا۔

یہ دسویں جماعت کی بات ہے۔ ایک دن یار لوگوں نے اُس سے کہا: "دیکھو پوچھے! اگر تم کپڑے اُتار کر تنگ دھڑنگ اسکول کا ایک چکر لگاؤ تو ہم تمہیں ایک روپیہ دیں گے۔" پوچھے نے زُپیر لے کر کان میں اڑسا، کپڑے اُتار کر بیٹے میں باندھے اور سب کے سامنے چلنا شروع کر دیا۔ جس کلاس کے سامنے سے گزرا وہ زعفران زار بن جانا۔ چلتے چلتے ہیڈ ماسٹر صاحب کے دفتر کے پاس پہنچ گیا پٹی اٹھائی اور غرٹاپ سے اندر معلوم نہیں کیا ہوا، ہیڈ ماسٹر صاحب سخت





<https://www.facebook.com/groups/372605677178945/>

میں اس کے گنڈپنے کی دھاک میچ گئی۔ بڑے بڑے جگادری بد معاشوں کے کان کاٹنے لگا۔ ناٹاقد مگر بدن کسرتی تھا اس کی بھینٹ و مگر بہت مشہور تھی۔ ایسے زور سے مد مقابل کے سینے میں یا سپیٹ میں اپنے سر سے ٹکراتا کہ اس کے سائے وجود میں زلزلہ سا آ جاتا۔

ایف اے کے دوسرے سال میں اس نے تفریحاً پرنسپل کی نئی موٹر کے پیڑرول ٹینک میں چار آنے کی ٹکر ڈال دی جس نے کاربن بن کر سائے انجن کو غارت کر دیا۔ پرنسپل کو کسی نہ کسی طریقے سے معلوم ہو گیا کہ یہ خطرناک شرارت پھوہ کی ہے مگر حیرت ہے کہ انھوں نے اس کو معاف کر دیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ پھوہ کو ان کے بہت سے راز معلوم تھے، ویسے وہ قسمیں کھاتا تھا کہ اس نے ان کو دھکی و غیر باطل نہیں دی تھی کہ انھوں نے سزا دی تو وہ انھیں فاش کر دے گا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب کانگریس کا بہت زور تھا۔ انگریزوں کے خلاف کھلم کھلا جیسے ہوتے تھے حکومت کا تختہ الٹنے کی کئی ناکام سازشیں ہو چکی تھیں۔ گرفتاریوں کی بھرمار تھی، سب جیل باغیوں سے پڑتھے، آئے دن ریل کی پٹریاں اکھاڑی جاتی تھیں، خطوں کے بھکڑ میں آتش گیر مادہ ڈالا جاتا تھا، بم بنائے جاتے تھے سپتول برآمد ہوتے تھے غرض کہ ایک ہنگامہ برپا تھا اور اس میں اسکول اور کالجوں کے

اور دیکھو، اگر وہ کر کے پھر گئے تو دوسری مرتبہ کنڈی میں تالا بھی ہوگا۔ ناچار اٹھتی دینی پڑی اب بتائیے میں ایسے نابکار لڑکے کا کیا کروں؟ اللہ ہی بہتر جانتا تھا کہ اس کا کیا ہوگا پڑھتا وڑھتا خاک بھی نہیں تھا۔ انٹریس کے امتحان ہوئے تو سب کو یقین تھا کہ بہت بُری طرح فیل ہوگا مگر نتیجہ نکلا تو کلاس میں اس کے سب سے زیادہ نمبر تھے۔ وہ چاہتا تھا کہ کالج میں داخل ہو مگر باپ کی خواہش تھی کہ کوئی ہنر سیکھے چنانچہ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ دو برس تک آوارہ پھر تاربا، اس دوران اس نے جو حرم زدگیاں کیں ان کی فہرست بہت لمبی ہے۔ تنگ اگر اس کے باپ نے بالآخر اسے کالج میں داخل کر دیا۔ پہلے ہی دن اس نے شرارت کی کہ میٹھے میٹھس کے پروفیسر کی سائیکل اٹھا کر درخت کی سب سے اونچی شنی پر لٹکا دی۔ سب حیران کہ سائیکل وہاں پہنچی کیوں کر مگر وہ لڑکے جو اسکول میں پھوہ کے ساتھ پڑھ چکے تھے، اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ کارستانی اس کے سوا کسی کی نہیں ہو سکتی چنانچہ اس ایک ہی شرارت سے اس کا پورے کالج سے تعارف ہو گیا۔ اسکول میں اس کی سرگرمیوں کا میدان محدود تھا مگر کالج میں بہت وسیع ہو گیا۔ پڑھائی میں، کھیلوں میں، مشاعروں میں اور مباحثوں میں ہر جگہ پھوہ کا نام روشن تھا اور تھوٹے دن میں آنا روشن ہوا کہ سائے شہر

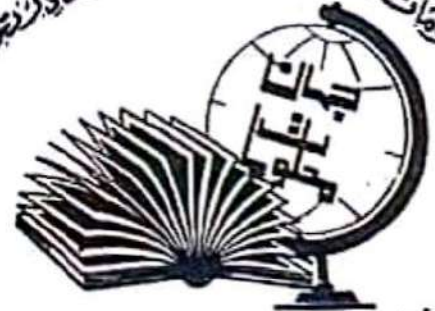
سب تک



طالب علم بھی شامل تھے۔ پھوجا سیاسی آدمی بالکل نہیں تھا، میرا خیال ہے اُس کو یہ بھی معلوم نہیں تھا مہاتما گاندھی کون ہے لیکن جب اچانک ایک روز اُسے پولیس نے گرفتار کیا اور وہ بھی ایک سازش کے سلسلے میں تو سب کو بڑی حیرت ہوئی۔

اس سے پہلے کئی سازشیں پکڑی جا چکی تھیں۔ سائڈز کے قتل کے سلسلے میں جھگت سنگھ اور دت کو بچاوشی بھی ہو چکی تھی اس لیے یہ نیا معاملہ بھی کچھ سنگین ہی معلوم ہوتا تھا۔ الزام یہ تھا کہ مختلف کالجوں کے لڑکوں نے مل کر ایک خفیہ جماعت بنائی تھی جس کا مقصد ملک معظم کی سلطنت کا تختہ الٹنا تھا۔ اُن میں سے کچھ لڑکوں نے کالج کی لیبری سے پھرک ایسڈ چُرایا تھا جو بم بنانے کے کام آتا ہے۔ پھوجے کے بارے میں شبہ تھا کہ وہ اُن کا سرغنہ ہے اور اُس کو تمام خفیہ باتوں کا علم ہے۔ اُس کے ساتھ کالج کے مواد لڑکے بھی پکڑے گئے تھے اُن میں ایک شہو بیرٹر کا لڑکا تھا اور دوسرا رئیس زادہ۔ اُن کا ڈاکٹری معائنہ کرایا گیا تھا اس لیے پولیس کی مار پیٹ سے بچ گئے مگر شامت غریب پھوجے حرام سے کی آئی۔ تھانے میں اُس کو انٹانکٹا کر پٹیا گیا، برف کی سلوں پر کھڑا کیا گیا۔ غرض کہ ہر قسم کی جسمانی اذیت اُسے پہنچائی گئی کہ ملاز کی باتیں اگلے مگر وہ بھی ایک کتے کی ہڈی تھا، شس سے مس نہ ہوا بلکہ یہاں بھی کم بخت اپنی شرارتوں سے باز نہ آیا۔ ایک مرتبہ جب وہ مار برداشت نہ کر سکا تو اُس نے تھانے دار سے ہاتھ رک لینے کی درخواست کی اور وعدہ کیا کہ وہ سب کچھ بتا دے گا۔ بالکل نڈھال تھا اس لیے اُس نے گرم گرم دودھ اور جلیبیاں مانگیں۔ طبیعت تدرے بحال ہوئی تو تھانے دار نے قلم کاغذ سنبھالا اور اُس سے کہنا لگو بھی اب

مخلوقاتِ عاقبت، جسے شائقینِ فکر نے نادر و نایاب قرار دیا ہے



مؤلف عقیل عباس جعفری

روحوتوں میں

ہر صفحے کی قیمت چار روپے

دی رائٹرز

۱۱۳۹/۱۵ - فیڈرل بک ایسریا - کراچی ۳۸



بتاؤ: پھوجے نے اپنے مار کھائے ہوئے اعضا کا جائزہ انگریزوں نے کر لیا اور جواب دیا: اب کیا بتاؤں، طاقت اگتی ہے۔ چڑھا لو پھر مجھے اپنی ٹھکلی پر۔

”ایسے اور بھی کئی قصے ہیں جو مجھے یاد نہیں ہے مگر بہت پر لطف تھے۔ ملک حفیظ جو ہمارا ہم جماعت تھا، اُس کی زبان سے آپ سنئے تو اور ہی مزا آتا۔“

ایک دن پولیس کے دو سپاہی پھوجے کو عدالت میں پیش کرنے کے لیے لے جا رہے تھے۔ ضلع کچہری میں اُس کی نظر ملک حفیظ پر پڑی جو معلوم نہیں کس کام سے وہاں آیا تھا۔ اُس کو دیکھتے ہی وہ پکارا۔

”السلام علیکم ملک صاحب! ملک صاحب چونکے۔ پھوجا ہٹک کر کھڑا

میں اُن کے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔ ”ملک صاحب! بہت ادا اس ہو گیا

ہوں۔ جی چاہتا ہے، آپ بھی آجائیں میرے پاس۔ بس میرا نام لے

دینا کافی ہے۔“ ملک حفیظ نے جب یہ سنا تو اُس کی روح قبض ہو

گئی۔ پھوجے نے اُس کو ڈھارس دی۔ ”گھبراؤ نہیں ملک! میں تو ملتی

کر رہا ہوں۔ ویسے میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتاؤ۔“ اب آپ

ہی بتائیے کہ وہ کس لائق تھا۔ ملک حفیظ گھبرا رہا تھا، کتنی کڑکے بھانسنے

ہی والا تھا کہ پھوجے نے کہا۔ ”بھئی اور تو ہم سے کچھ نہیں ہو سکا کہ تو

تھامے بدلہ دار کنویں کی گارنگلو اویں۔“

ملک حفیظ ہی آپ کو بتا سکتا ہے کہ پھوجے کو اُس کنویں سے

کتنی نفرت تھی۔ اُس کے پانی سے ایسی بساؤ آتی تھی جیسے خرے ہونے

چوہے سے معلوم نہیں لوگ اُسے صاف کیوں نہیں کراتے تھے۔

ایک ہفتے بعد صیاد ملک حفیظ کا بیان ہے: وہ باہر نہانے

کے لیے نکلا تو کیا دیکھتا ہے کہ دو تین ٹوبے کنویں کی گندگی نکالنے میں

مصروف ہیں۔ بہت حیران ہوا کہ ماجرا کیا ہے، انھیں بلایا کس نے ہے۔

پڑوسیوں کا یہ خیال تھا کہ بٹے ملک صاحب کو میٹھے میٹھے خیال آگیا

ہو گا کہ چلو کنویں کی صفائی ہو جائے، یہ لوگ بھی کیا یاد کریں گے لیکن

جب انھیں معلوم ہوا کہ چھوٹے ملک کو اس بارے میں کچھ علم نہیں، تو

یہ کہ بڑے تو شکار پر گئے ہوتے ہیں تو انھیں بھی حیرت ہوئی۔ پولیس

کے بے دردی سپاہی دیکھے تو معلوم ہوا کہ پھوجے حرام سے کی نشان دہی

پر وہ کنویں سے بم نکال رہے ہیں۔ بہت دیر تک گندگی نکلتی رہی۔

پانی صاف شفاف ہو گیا مگر بم کیا، ایک چھوٹا سا پٹا غامبی برآمد ہوا۔

پولیس بہت بھنائی چنانچہ پھوجے سے باز پرس ہوئی۔ اُس نے سکا

کر تھانے دار سے کہا: ”بھولے بادشاہ! ہمیں تو اپنے یار کا کنواں صاف

کرانا تھا سو کرالیا۔“ بڑی معصوم سی شرارت تھی مگر پولیس نے اسے

وہ مارا، وہ مارا کہ مار مار کر آدھ موکر دیا اور ایک دن یہ خبر آئی کہ پھوجا



اس لیے پولیس کو لاشی چارج کرنا پڑا جس کے باعث کئی آدمی زخمی ہو گئے۔ عدالت میں مقدمہ پیش ہوا۔ پھوجے سے جب یہ پوچھا گیا کہ وہ اس بیان کے متعلق کیا کہنا چاہتا ہے جو اس نے پولیس کو دیا تھا تو اس نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا: ”جناب! میں نے کوئی بیان دیا نہیں دیا۔ ان لوگوں نے ایک بلند اساتیر کیا تھا جس پر میرے دستخط کروا لیے تھے۔“ یہ سن کر انسپکٹر پولیس کی بقول پھوجے کے ”بھمیری بھول گئی۔“ اور جب یہ خبر اخباروں میں چھپی تو سب چکر اگئے کہ پھوجے حراٹے نے یہ کیا نیا چکر چلایا ہے۔

چکر نیا ہی تھا کیونکہ عدالت میں اس نے ایک نیا بیان بھونکا شروع کیا جو پہلے بیان سے بالکل مختلف تھا۔ یہ قریب قریب پندرہ دن جاری رہا۔ جب ختم ہوا تو فل اسکپ کے ۵۸ صفحے کالے ہو چکے تھے۔ پھوجے کا کہنا ہے کہ اس بیان سے جو حالت پولیس والوں کی ہوئی ناقابل بیان ہے۔ انھوں نے جو عمارت کھڑی کی تھی، کم بخت نے اس کی ایک ایک اینٹ اکھاڑ کے رکھ دی، سارا کیس چوٹ ہو گیا نتیجہ یہ نکلا کہ اس سازش میں جتنے گرفتار ہوئے تھے، ان میں سے اکثر بری ہو گئے۔ دو تین کو تین تین برس کی اوچار پانچ کو چھ چھ مہینے کی سزائے قید ہوئی۔ جو سن ہے تھے ان میں سے ایک نے پوچھا: ”اور پھوجے کو؟“ مہر فیروز نے کہا: ”پھوجے کو کیا ہونا تھا، وہ تو وعدہ معاف یعنی سلطانی گواہ تھا۔“

سب نے پھوجے کی حیرت انگیز ذہانت کو سراہا کہ اس نے پولیس کو کس صفائی سے غما دیا۔ ایک نے جس کے دل و دماغ کو اس کی شخصیت نے بہت زیادہ متاثر کیا تھا ”مہر فیروز سے پوچھا۔ ”آج کل کہاں ہوتا ہے؟“

”یہیں لاہور میں۔ آرٹھٹ کی دکان کرتا ہے۔“ اتنے میں بیرابل لے کر آیا اور پلیٹ مہر فیروز کے سامنے رکھ دی کیونکہ چائے وغیرہ کا آرڈر اسی نے دیا تھا۔ پھوجے کی شخصیت سے متاثر شدہ صاحب نے بل دیکھا اور ان کا آگے بڑھنے والا ہاتھ رک گیا کیونکہ رقم زیادہ تھی چنانچہ ایسے ہی مہر فیروز سے مخاطب ہوئے ”آپ کے اس پھوجے حراٹے سے کبھی ملنا چاہیے؟“

مہر فیروز اٹھا: ”آپ اس سے مل چکے ہیں۔ یہ خاکساری پھوجا حراٹہ ہے۔ بل آپ ادا کر دیجیے گا۔ السلام علیکم۔“ یہ کہہ کر وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔



سلطانی گواہ بن گیا ہے، اس نے وعدہ کر لیا ہے کہ سب کچھ بکس گا۔ کہتے ہیں اس پر بڑی لعن طعن ہوئی۔ اس کے دوست ملک حفیظ نے بھی جو حکومت سے بہت ڈرتا تھا، اس کو بہت گالیاں دیں کہ حرام زادہ ڈرے مائے خدا بن گیا ہے، معلوم نہیں اب کس کس کو پھنسونے گا۔ بات اصل میں یہ تھی کہ وہ مار کھا کھا کے تھک گیا تھا۔ جیل میں اس سے کسی کو ملنے نہیں دیا جاتا تھا، مرنے غذا میں کھانے کو دی جاتی تھیں مگر سونے نہیں دیا جاتا تھا۔ کم بخت کو نیند بہت پیاری تھی اس لیے تنگ آکر اس نے سچے دل سے وعدہ کر لیا کہ ہم بنانے کی سازش کے جملہ حالات بتائے گا۔ یوں تو وہ جیل ہی میں تھا مگر اب اس پر کوئی سختی نہ تھی کئی دن تو اس نے آرام کیا اس کا بند بند ڈھیلا ہو چکا تھا۔ اچھی خوراک ملی بدن پر ماشیں ہوئیں تو وہ بیان بھونانے کے قابل ہو گیا۔ صبح سستی کے دو گلاس پی کر وہ اپنی داستان شروع کر دیتا، تھوڑی دیر بعد ناشتہ آتا۔ اس سے فارغ ہو کر وہ پندرہ بیس منٹ آرام کرتا اور کڑی سے کڑی ملا کر اپنا بیان جاری رکھتا۔ آپ محمد حسین اسٹیٹو گرافر سے پوچھیے جس نے اس کا بیان ٹائپ کیا تھا۔ اس کا کہنا ہے کہ پھوجے حراٹے نے پورا ایک مہینہ لیا اور وہ سارا جال کھول کے رکھ دیا جو سازشیوں نے ملک کے اس کونے سے اس کونے تک پھایا تھا یا بچانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ اس نے سینکڑوں آدمیوں کے نام لیے۔ ایسی ہزاروں جگہوں کا پتہ بتایا جہاں سازشی لوگ چھپ کے ملتے تھے اور حکومت کا تختہ الٹنے کی ترکیبیں سوچتے تھے۔ یہ بیان محمد حسین اسٹیٹو گرافر کہتا ہے، فل اسکپ کے ڈھائی سو صفحوں پر پھیلا ہوا تھا۔ جب یہ ختم ہوا تھا تو پولیس نے اسے سامنے رکھ کر پلان بنایا چنانچہ ذرا سی گرفتاریاں عمل میں آئیں اور ایک بار پھر پھوجے کی ماں بہن بی بی جانے لگی۔ اخباروں نے بھی بی زبان میں پھوجے کے خلاف کافی زہر اگلا۔ اکثریت حکام کے خلاف تھی اس لیے اس کی غداری کی ہر جگہ مذمت ہوتی تھی۔ وہ جیل میں تھا جہاں اس کی خوب خاطر تواضع ہو رہی تھی۔ یہ بڑی طرے والی کلفت لگی پڑی سر پر باندھے دو گھوٹے کی بوکی کی قمیص اور چالیس ہزار ٹپے کی گھیر دار شلوار پہنے وہ جیل میں یوں ٹمٹماتا جیسے کوئی انٹر معائنہ کر رہا ہے۔ جب سادی گرفتاریاں عمل میں آگئیں اور پولیس نے اپنی کارروائی مکمل کر لی تو سازش کا یہ معرکہ انگیز کیس عدالت میں پیش ہوا لوگوں کی بھر جمع ہو گئی۔ پولیس کی حفاظت میں جب پھوجا حراٹہ ہوا تو غصے سے بھرے ہوئے نعرے بلند ہوئے: ”پھوجا حراٹہ مردہ باد۔“

پھوجا حراٹہ مردہ باد۔

ہجوم بہت مشتعل تھا خطرہ تھا کہ پھوجے پر ٹوٹ نہ پڑے

سب بنگ